حدیث اور سنت کا تصور (جدید افکار کا تنقیدی جائزہ)

ڈاکٹر حافظ انس نضر*

ڈاکٹر حافظ حسین ازہر**

ڈاکٹر حافظہ مریم مدنی***

The philosophy of oneness of religions is very distinctive consideration in the contemporary thoughts in vogue. Everyone has tried to resolve it in accordance with his own method. Amongst the muslims of sub-continent, theIslahi" School of Thought, by presenting a separate concept of Hadith and Sunnah, have contributed to this concept. They, by segregating from the tradition of Islamic Teachings, have offered a very limited meaning of Sunnah. It has been restricted only to the continuity of an action. In the present article, a critical review of their concept, in the light of Sharia and intellect, has been presented.

برصغیر پاک وہند پر برطانوی استعمار کے غلبہ و تسلط کے بعد مقامی مسلمانوں کے اندر دو طرح کے رویوں نے جنم لیا۔ اس استعلا و برتری نے دو جداگانہ فکری دھاروں کو تشکیل دیا۔ جنہیں ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک کے اندر بنیادی طور پر اپنی قدیم روایت کے تحفظ کا احساس جب کہ دوسرے میں جدید افکار سے مرعوبیت کی بنا پر متجددانہ اصولوں کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ پہلی روش کے نمائندہ عمومی طور پر ولی اللٰہی اور دیوبند مکاتب فکر کو ٹھہرایا جاتا ہے جب کہ دوسری کے حاملین میں سرسید وغیرہ کو شمار کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تاریخی طور پر دونوں طرز کے پیروکاروں سے بعض پہلوؤں میں افراط و تفریط نظر آتا ہے۔ ایک کی "روایت پسندی" کئی دفعہ اسے "روایت پرستی" کی حد تک لے گئی جب کہ دوسرے کی "جدت پسندی" بھی اسے "جدت پرستی" کی منزل پر لے آئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جدیدیت اور روایت کی اس کش مکش میں جدیدیت کے پرستاروں کا بنائے استدلال بالخصوص شریعت کی معنوی تحریفات و تاویلات رہی ہیں۔ ظاہر سی بات ہے مسلمانوں میں اپنے نظریات کے اثبات و جواز کے لیے قرآن و حدیث کی پشت پناہی ضروری ہے۔ اور پھر جب شرعی مفاہیم ان کے متصادم نظر آئیں تو اس وقت ممکنہ طریق یہی اپنایا جا سکتا ہے کہ ان کے اندر نئی طرز کی معنوی تعبیر پیدا کی جائے۔

ویسے تو اس باب میں گزشتہ چند صدیوں سے برصغیر پاک وہند کے اندر ایک تاریخ نظر آتی ہے۔ تاہم زیر نظر گزارشات میں اس حوالے سے ہم اصلاحی مکتب فکر کے تصور "حدیث و سنت" کو واضح کرنا

*اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف عربیک اینڈ اسلامک سٹڈیز، دی یونیورسٹی آف لاہور

**اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف سوشل سائنسز، یونیورسٹی آف ویٹرنری اینڈ اینیمل سائنسز، لاہور

***اسسٹنٹ پروفیسر، F.G Degree College، لاہور پاکستان

چاہتے۔ جس میں ایک جدید چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے حدیث اور سنت کے تصور میں تفریق کی گئی ہے۔ سنت کا معنی صرف عملی تواتر تک مقید کر دیا گیا ہے۔

اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس تفریق کا مقصد ایک نئے اسلوب کے ساتھ وحدت ادیان کے فلسفے کو ترویج دینا معلوم ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم اسلام کی علمی روایت کے تناظر میں اس کا ایک جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اہل سنت کے ہاں سنت کا مفہوم

اصلاحی مکتبہ فکر کا تصور سنت واضح کرنے اور اس کا تنقیدی جائزہ لینے سے بیشتر بہتر محسوس ہوتا ہے کہ سنت کا مفہوم اہل سنت کے ہاں بیان کر دیا جائے۔ بعد ازاں اس کی روشنی میں عقلی و نقلی ہر دو اعتبار سے اصلاحی مکتبہ فکر کے تصور سنت کا تنقیدی جائزہ پیش کر دیا جائے۔

اہل سنت کے نزدیک سنت اور حدیث میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اہل سنت وحی کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں: 1۔ایک وحی جلی 2۔ دوسری وحی خفی۔

اہل سنت کے نزدیک شریعت اسلامیہ کے بنیادی مآخذ دو ہیں :

1۔ایک قرآن 2۔ دوسرا سنت۔

یہ دونوں مآخذ وحی الٰہی پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی مآخذ ہیں مثلا اجماع، قیاس، قول صحابی، شرائع من قبلنا، استصحاب، عرف، مصلحت مرسلہ، سد الذرائع اور استحسان وغیرہ انہی دو سے ماخوذ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو وحی اپنے نبی پر نازل کی ہے اس کے نزول کے دو طریقے تھے:

1۔ بعض اوقات یہ وحی لفظاً ہوتی تھی یعنی اس میں الفاظ بھی اللہ کے ہوتے تھے اور معنی بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تھا۔

2۔ اکثر اوقات یہ وحی معناً نازل ہوتی تھی، یعنی اس میں الفاظ اللہ کے نہیں ہوتے تھے لیکن پیغام اللہ ہی کی طرف سے ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت جبرائیلؑ کا رسول اللہ کو نمازوں کے اوقات، اسلام، ایمان، احسان اور قیامت کی علامات کے بارے میں تعلیم دینا، حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دینا، اللہ تعالیٰ کا کسی نبی کے دل میں کوئی بات ڈال دینا وغیرہ۔

وحی کی پہلی قسم کو علما 'وحی متلو' کا نام دیتے ہیں یعنی یہ وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے، جب کہ وحی کی دوسری قسم کو 'وحی غیر متلو' کہتے ہیں۔ بعض اوقات علما وحی متلو کو 'وحی جلی' اور وحی غیر متلو کو 'وحی خفی' بھی کہہ دیتے ہیں۔ وحی متلو 'قرآن' ہے جب کہ 'سنت' وحی غیر متلو ہے۔

1۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ وحی کی مختلف اقسام کو قرآن کریم میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾1

''اور کسی بشر کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ سے کلام کرے سوائے کسی اشارے (الہام' خواب اورالقاوغیرہ) یاپردے کے پیچھے سے (براہ راست کلام کرنا) یااللہ تعالیٰ کوئی فرشتہ بھیجے جو اللہ کے حکم سے اس بندے پر جو وہ (اللہ) چاہتا ہے، وحی کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند (اور) حکمت والا ہے۔''

اس آیت میں وحی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

1۔ پہلی صورت الہام، خواب یا القا کی صورت میں کسی نبی پر وحی بھیجنا۔ اس صورت میں انبیا کی طرف جو وحی بھیجی جاتی ہے وہ 'وحی معناً' ہوتی ہے۔

2۔ وحی کی دوسری قسم جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ پردے کے پیچھے سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کرنا ہے۔ وحی کی یہ صورت 'وحی لفظاً' ہوتی ہے۔

3۔ اسی طرح وحی کی تیسری قسم جو کہ فرشتے کی صورت میں ہوتی ہے، وہ بعض اوقات لفظاً ہوتی ہے مثلاً قرآن، اور بعض اوقات معناً ہوتی ہے، مثلاً حدیثِ جبرائیل۔

شریعت اِسلامیہ میں 'وحی لفظاً' قرآن کی صورت میں جب کہ 'وحی معناً' سنت کی صورت میں محفوظ ہے۔ صحابہ کرام نے وحی کی ان دونوں قسموں کو محفوظ کیا اور امت تک پہنچایا۔ قرآن کی روایت کو 'قراء ات' اور سنت کی روایت کو' حدیث' کہتے ہیں۔ یعنی سنت (وحی خفی) کو جب کوئی صحابی اللہ کے رسول سے اخذ کرکے آگے نقل کرتا ہے تو صحابی کے اس نقل کرنے کو حدیث کہتے ہیں۔ سنت اگر وحی خفی ہے تو حدیث اس وحی کی روایت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سنت اور حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ پر اُتاری جانے والی وحی کے حوالے سے جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی اُمہات الکتب میں سے اکثر کے نام سنن سے شروع ہوتے ہیں، مثلاً سنن ابی داوٗد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہ۔ خلاصہ کلام یہ کہ حدیث کے مشمولات کا نام سنت ہے۔

درج بالا تمام مفاہیم کو علمانے اس طرح بیان کیا ہے۔

ابن حزم رقم طراز ہیں:

السنن تنقسم إلیٰ ثلاثة أقسام قول من النبي ﷺ أو فعل منه علیه السلام أو شيء رآه وعلمه فأقر علیه2

''سنن کی تین قسمیں ہیں: جس میں آپؐ کا فرمان، عمل یا کوئی ایسا فعل شامل ہے جسے آپؐ

نے دیکھا ہو یا آپؐ کو اس سے اگاہ کیا گیا ہو تو آپؐ نے اس پر اقرار و تصویب فرمائی ہو۔''

امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

يُطْلَقُ لَفْظُ "السُّنَّةِ" عَلَى مَا جَاءَ مَنْقُولًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى الْخُصُوصِ، مِمَّا لَمْ يُنَصَّ عَلَيْهِ فِي الْكِتَابِ الْعَزِيزِ[3]

''لفظ سنت کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو آپ ﷺ سے منقول ہو۔ بالخصوص ایسی صورت میں جس کے بارے میں قرآنی آیت نہ ہو۔''

'اصلاحی' مکتبہ فکر کا تصور سنت

محدثین اور اہل سنت کے ہاں حدیث و سنت کا تصور نقل کرنے کے بعد ذیل میں ہم اس حوالے سے اصلاحی مکتبہ فکر کی آرا نقل کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس مکتبہ فکر کو مولانا امین احسن اصلاحی کی طرف منسوب کرنے سے ہمارا مدعا ہر گز یہ نہیں کہ اس کا آغاز یا انجام موصوف سے ہوا ہے۔ ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو جداگانہ حیثیت سے اس مکتبہ فکر کا آغاز مولانا شبلی نعمانی سے ہوا تھا۔ بعد ازاں مولانا حمید الدین فراہی نے اس فکر کے چند خطوط مزید نمایاں کیے۔ اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اسے ایک باقاعدہ منظم فکر کے طور پر پیش کیا۔ پھر جاوید احمد غامدی صاحب اسی منظم فکر کے اندر وسعت و جامعیت لے کر آئے۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو اس مکتبہ فکر میں مولانا امین احسن اصلاحی کی حیثیت ایک مرکزیت کی سی ہے۔ جنہوں نے سابقہ کام کی باقاعدہ تنظیم سازی کی اور مستقبل کے لیے واضح خطوط معین کیے۔ عصر حاضر میں اس کے حاملین میں جاوید احمد غامدی صاحب ہیں۔ چنانچہ اپنے اس مضمون میں ہم انہی دونوں شخصیات کو مخاطب کریں گے۔ اور انہی کے حوالہ جات سے اس فکر پر تنقید و تجزیہ پیش کریں گے۔

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث اور سنت کے درمیان فرق روا رکھتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں۔

''حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حدیث و سنت میں آسمان و زمین کا فرق اور دین میں دونوں کا مرتبہ و مقام الگ الگ ہے۔ ان کو ہم معنی سمجھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ فہم حدیث کے نقطہ نظر سے دونوں کے فرق کو واضح طور پر سمجھنا چاہیے۔ حدیث نبیؐ کے کسی قول یا فعل یا آپ ؐ کی کسی تصویب کی روایت کو کہتے ہیں' عام اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہو یا اس کا ثابت ہونا محل نزاع ہو۔''[4]

اسی طرح ایک جگہ سنت کی تعریف کرتے ہوئے اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

''سنت کے لغوی معنی ہیں: واضح راستہ، مصروف راستہ، چلتا ہوا راستہ، پٹا ہوا راستہ اور

ہموار راستہ... ہمارے زیر بحث اسوقت سنت نبیؐ ہے یعنی وہ طریقہ جو رسول اللہؐ نے بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے، احکام و مناسک کے ادا کرنے، اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کیلئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا... سنت کی بنیاد حدیث پر نہیں ہے' جن میں صدق و کذب' دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔ جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اس طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تمام تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبیؐ نے اختیار فرمائیں۔ آپؐ سے صحابہ کرامؓ نے، ان سے تابعینؒ پھر تبع تابعینؒ نے سیکھا۔ اس طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے۔ 5

اصلاحی صاحب (م۱۴۱۸ھ) کے شاگرد غامدی صاحب سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبیؐ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں اس کا حکم آپؐ کے لیے اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ‌ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۱۲۳﴾ 6

''پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''

اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے وہ یہ ہے:

1۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا 2۔ زیر ناف کے بال مونڈنا
3۔ ناک منہ اور دانتوں کی صفائی 4۔ مونچھیں پست رکھنا
5۔ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اِقامت 6۔ بغل کے بال صاف کرنا
7۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب 8۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا
9۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اس کا جواب 10۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا
11۔ حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب 12۔ استنجا کرنا
13۔ حیض و نفاس کے بعد غسل 14۔ غسل جنابت 15۔ میت کا غسل
16۔ تجہیز و تکفین 17۔ تدفین 18۔ عید الفطر 19۔ عید الاضحیٰ
20۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ 21۔ نکاح و طلاق اور ان کے متعلّقات

22۔زکوٰۃ اور اسکے متعلقات　23۔نماز اور اسکے متعلقات　24۔روزہ اور صدقۂ فطر
25۔اعتکاف　26۔قربانی　27۔حج وعمرہ اور ان کے متعلقات

سنت یہی ہے اور اسکے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اسمیں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے، لہٰذا اسکے بارے میں اب کسی بحث ونزاع کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دین لاریب انہی دو صورتوں میں ہے (یعنی قرآن اور سنت) انکے علاوہ کوئی چیز نہ دین ہے اور نہ اسے دین قرار دیا جاسکتا ہے۔" 7

اصلاحی مکتبہ فکر کے تصور سنت کا جائزہ

درج بالا تصور سنت وحدیث کا دو حیثیتوں سے تنقیدی جائزہ لیا جائے تو اس کے اندر کئی ایک پہلو قابل اعتراض معلوم ہوتے ہیں۔

پہلا یہ کہ ایک علمی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحیثیت مجموعی اس کا جائزہ لیا جائے تو اس تصور سنت کے لیے کوئی گنجائش ہمیں نظر نہیں آتی۔ اور دوسرا یہ کہ وہ مخصوص سنتیں جنہیں باقاعدہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے وہ بھی صحت وضعف کے اعتبار سے قابل حجت نہیں بنتیں۔

اصلاحی تصور سنت کا اصولی وعمومی جائزہ

یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ الفاظ ومعانی کا رشتہ باہم لازم وملزوم کا ہے۔ ہر زبان میں یہ طریقہ کار ہے کہ اہل زبان اپنے احساسات، جذبات، معانی، مفاہیم اور افکار کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کچھ الفاظ مقرر کرتے ہیں۔ اس کو اہل علم یوں تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں لفظ کو اہل زبان نے فلاں معانی کے لیے وضع کیا ہے۔ جب اہل زبان ایک لفظ ایک خاص معنی یا تصور کی ادائیگی کے لیے متعین کر لیتے ہیں تو لفظ کے اس معنی کو لغوی مفہوم کہتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں لفظ اَبٌ ایک خاص معنی 'باپ' کی ادائیگی کے لیے وضع کیا گیا ہے، لیکن آج کل کے زمانے میں کوئی عرب شاعر یا ادیب یہ بات کہے کہ میں جب 'اَب' کا لفظ اپنی نثر یا نظم میں استعمال کروں گا تو اس کا معنی میرے نزدیک 'بیٹا' ہو گا تو یہ صحیح نہیں ہو گا۔ تمام اہل زبان اس کی مخالفت کریں گے، کیوں کہ اس سے زبان میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل علم بعض اوقات ان وضع شدہ الفاظ کو اپنے مختلف تصورات کی ادئیگی کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں، جس کو اصطلاحی مفہوم کہتے ہیں۔ لفظ اصطلاح کا مادہ صلح ہے، یعنی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ اہل علم یا اہل فن کے ایک طبقے کی اس بات پر صلح ہو گئی ہے کہ آئندہ جب وہ یہ لفظ استعمال کریں گے تو اس لفظ سے ان کی مراد کوئی مخصوص تصور ہو گا۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ اس بحث سے یہ بھی نتیجہ

نکلتا ہے کہ اصطلاح فرد واحد کی نہیں ہوتی بلکہ جماعت کی ہوتی ہے۔ فرد واحد کی تعبیر کو 'شاذ' کا نام تو دیا جا سکتا ہے، اصطلاح نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً علما نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ جب ہم لفظ 'کتاب اللہ' بولیں گے تو اس سے ہماری مراد قرآن ہو گی۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جب یہ لفظ اپنی تحریروں میں استعمال کروں گا تو اس سے میری مراد کتاب مقدس ہو گی تو یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس سے ذہنی اور فکری انتشار پیدا ہوتا ہے۔ لفظ 'سنت' کا بھی ایک لغوی مفہوم ہے اور ایک اصطلاحی مفہوم ہے۔ جس طرح سنت کے لغوی مفہوم کی مخالفت جائز نہیں ہو سکتی اسی طرح سنت کے اصطلاحی مفہوم کی مخالفت کر کے اس سے ایک نیا مفہوم مراد لینا بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ مولانا اصلاحی صاحب اور ان کے شاگرد جاوید غامدی نے سنت کا لغوی مفہوم 'پٹا ہوا راستہ' بیان کیا ہے، گویا لفظ سنت کا لغوی مفہوم بیان کرتے وقت تو انہوں نے اہل زبان کے ہی بیان کردہ مفہوم کو لیا ہے، لیکن جب سنت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہیں تو اہل فن کے مقرر کردہ اصطلاحی مفاہیم کو نظر انداز کرتے ہوئے بالکل ایک نیا مفہوم مراد لیتے ہیں۔ اور جب کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا اصلاحی، جاوید غامدی اور ان دونوں کے حلقہ احباب کے علاوہ اگر امت مسلمہ کے کسی فرد سے یہ سوال کیا جائے کہ سنت سے کیا مراد ہے؟ یا جب لفظ 'سنت' بولا جائے تو اس وقت تمہارے ذہن میں کیا تصور اجاگر ہوتا ہے، تو اس کا جواب یقیناً یہی ہو گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے جمیع اعمال' اقوال اور تقریرات یا آپؐ کی ساری زندگی۔

اس باب میں حقیقت یہ ہے کہ جب بھی لفظ 'سنت' استعمال ہوتا ہے تو اس وقت ہر مسلمان کے ذہن میں ایک ہی تصور آتا ہے اور وہ محمد ﷺ کا تصور ہوتا ہے نہ کہ حضرت ابراہیم کا، اور سنت کا یہ اصطلاحی تصور اتنا عام ہو گیا ہے کہ وہ اس کے لغوی تصور پر بھی غالب آ گیا ہے، اس لیے اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ اگر اصطلاحی مفاہیم کی مخالفت جائز ہے تو پھر یہ صرف غامدی صاحب کے لیے ہی جائز نہیں بلکہ ہر کسی کے لیے جائز ہے۔ اگر کل کو کوئی یہ کہے کہ ''سنت سے میری مراد دین آدم کی وہ روایت ہے...'' تو یہ بھی جائز ہو گا اور کوئی دوسرا یہ کہے کہ ''سنت سے میری مراد دین موسوی کی وہ روایت ہے...'' تو یہ بھی جائز ہو گا۔ ان نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس تصور سنت سے امت مسلمہ کو سوائے ذہنی اور فکری انتشار کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر اصلاحی مکتبہ فکر کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جائے کہ قبل ازیں اہل علم حضرات نے اگر ایک لفظ کو ایک خاص تصور کی ادائیگی کیلئے بطور اصطلاح کے مقرر کر لیا تو ہمیں یہ استحقاق کیوں حاصل نہیں؟

چناں چہ اس صورت میں ہم مؤدبانہ گزارش کریں گے کہ ہم آپ کا یہ استحقاق ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ آپ حضرات اپنے تصورات کی ادائیگی کیلئے لازماً اصطلاحات بنائیں، لیکن ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ اپنے تصورات اور اپنی مراد واضح کرنے کیلئے سلف صالحین کی اصطلاحات استعمال نہ کریں۔ انہیں ان کے معانی پر ہی رہنے دیا جائے۔ آپ مخصوص تصورات کی ادائیگی کیلئے مخصوص اصطلاحات ضرور وضع کریں۔ کیوں کہ اس صورت میں ہوتا یہ ہے کہ مراد تو آپ کی اپنی ہوتی ہے اور اس کیلئے اصطلاحات علما کی استعمال ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں مغالطہ پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ اب سنت کا لفظ اہل علم کے ہاں رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے مخصوص ہے۔ چنانچہ جب آپ سمجھتے ہیں کہ سنت کا تعلق دراصل حضرت ابراہیم سے ہے تو آپ کو چاہیے کہ اپنے اس تصور کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوئی نئ اصطلاح وضع کریں اور لفظ 'سنت' کو استعمال کرنے سے گریز کریں۔ ہمارے خیال میں جب کچھ الفاظ اصطلاحی طور پر ایک خاص تصور کی ادائیگی کیلئے مخصوص ہو جائیں تو ان الفاظ کو استعمال کر کے اپنی مرضی کا مفہوم مراد لینا علمی خیانت کے مترادف ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ علما کی طرف سے اصلاحی مکتبہ فکر پر یہ تنقید ہوتی ہے کہ آپ لوگ سنت کو نہیں مانتے ہیں تو جواب میں یہ حضرات فوراً کہتے ہیں کہ ہم تو سنت کو مآخذ دین میں شمار کرتے ہیں اور سنت سے ان کی مراد وہ ستائیس چیزیں ہیں جنہیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ غامدی صاحب کو چاہیے کہ جب بھی وہ لکھیں یا بات کریں تو یوں نہ کہیں کہ 'ہمارے نزدیک اصل دین قرآن اور سنت ہے' بلکہ وہ یوں کہیں کہ ہمارے نزدیک اصل دین قرآن اور سنت ابراہیمی ہے۔ کیوں کہ لفظ 'سنت' محمد ﷺ کے تصور کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ میں رائج ہو چکا ہے اس لیے مجرد اس لفظ کو استعمال کر کے حضرت ابراہیم کا تصور مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

سنت کی تعریف اور اس کے ثبوت کا معیار

مولانا اصلاحی کے شاگرد رشید جناب غامدی صاحب نے سنت کی تعریف میں یہ لکھا ہے کہ سنت صحابہ کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے اور ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پاتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم عرض کرتے ہیں کہ سنت کے ثبوت کی بحث سے قبل کیا بہتر نہ ہو گا خود 'سنت' کی تعریف صحابہ اور امت کے اجماع سے ثابت کر دیں۔ کیوں کہ آپ کے بقول کسی چیز کے سنت بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحابہ اور امت کے اجماع سے ثابت ہو۔ کیا آپ کی بیان کردہ سنت کی تعریف اس معیار پر پوری اترتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کی اس بات سے ہی آپ کے تصور سنت کا رد ہو رہا ہے، کیوں کہ جب کسی چیز کے سنت بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحابہ اور امت کے اجماع سے ثابت ہو تو سنت کی تعریف کے لیے تو بدرجہ اولیٰ یہ بات ضروری ہونی چاہیے کہ وہ بھی صحابہ اور امت کے اجماع سے

ثابت ہو، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بیان کردہ تعریفِ سنت صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے اور نہ اُمت کے اجماع سے۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کی یہ تعریف صحابہ کی سنت کی اجماعی تعریف کے خلاف ہے۔

اہل سنت کی متفق علیہ تعریفِ سنت کی مخالفت

تمام اہل سنت کے نزدیک سنت کی تعریف میں اللہ کے رسولؐ کے اعمال کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے اقوال اور تقریرات بھی شامل ہیں۔ اسی لیے اصول فقہ کی کتب میں جب علمائے اہل سنت' سنت پر بطور مصدرِ شریعت بحث کرتے ہیں تو سب سنت کے ذیل میں اسی بات کا اثبات کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ کے اعمال کے علاوہ آپؐ کے اقوال اور تقریرات بھی مصدرِ شریعت ہونے کی حیثیت سے سنت کی تعریف میں شامل ہیں۔ جب کہ اصلاحی اور غامدی صاحب کے نزدیک اللہ کے رسولؐ کے جمیع اقوال اور تقریرات سنت نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک سنت وہ ہے کہ جس کا تعلق عمل سے ہو۔

چناں چہ غامدی صاحب اصول و مبادی میں لکھتے ہیں:

> ''دوسرا اصول یہ ہے کہ سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے، یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں۔'' 8

اس سلسلے میں واضح رہے جس طرح غامدی صاحب اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال اور تقریرات کو سنت نہیں مانتے اسی طرح وہ اللہ کے رسولؐ کے جمیع اعمال کو بھی سنت نہیں مانتے۔ وہ صرف انہی اعمال کو سنت مانتے ہیں جو عملی تواتر سے اُمت میں چلے آرہے ہوں اور ان کے بارے میں اُمت میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ اگر اللہ کے رسولؐ کا کوئی عمل حدیث سے ثابت ہو اور تواترِ عملی سے ثابت نہ ہو تو وہ عمل بھی ان کے نزدیک سنت نہیں ہے۔ مثلاً رفع الیدین کو وہ اس لیے سنت ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ یہ حدیث سے تو ثابت ہے لیکن پوری اُمت کا اس پر عمل نہیں ہے۔

رفع الیدین سے متعلقہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ''میرے نزدیک صرف وہی چیزیں سنت کی حیثیت رکھتی ہیں جو صحابہ کرام کے اجماع سے ہم تک منتقل ہوئی ہوں۔ ہم انھی چیزوں پر اصرار کرسکتے ہیں اور ان کی خلاف ورزی پر لوگوں کو توجہ بھی دلا سکتے ہیں۔ جن امور میں صحابہ کرام کا اجماع نہیں ہے انہیں نہ سنت کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ ان پر عمل کے لیے اصرار کیا جا سکتا ہے۔ میری تحقیق کے مطابق رفع یدین بھی ان چیزوں میں شامل ہے جن پر صحابہ کرامؓ کا اجماع نہ ہو

سکا، اس وجہ سے میں اسے سنت نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد چاہے ساری دنیا متفق ہو کر اسے سنت قرار دینے لگے تو میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"9

غامدی صاحب کے اس تصور سنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ احادیث میں بیان شدہ اللہ کے رسولؐ کی ہزاروں سنن صرف ستائیس اعمال پر مشتمل ایک فہرست تک محدود ہو کر رہ گئیں جنہیں ہم درج بالا تصریحات میں ان کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

غامدی صاحب کی بیان کردہ سنن کا حضرت ابراہیمؑ سے ثبوت

غامدی صاحب کی طرف سے سنت کی مہر اس چیز پر ثبت کی گئی ہے جس کا منبع حضرت ابراہیم ہوں۔ اس سلسلے میں ہم عرض کرنا چاہتے ہیں جن ستائیس سنن کا اثبات کیا جارہا ہے آیا وہ حضرت ابراہیم تک تواتر عملی سے ثابت شدہ ہیں؟ کیوں کہ خود ان کے بیان کردہ اصول کے مطابق سنت خبر سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ تواتر عملی سے ثابت ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی شے کو اخذ کرنے کا ذریعہ یا تو براہ راست مشاہدہ ہے یا بالواسطہ مشاہدہ۔ یہ بات تو واضح ہے کہ غامدی صاحب نے اپنی بیان کردہ سنن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے براہ راست مشاہدہ نہیں کیا، رہی دوسری صورت یعنی بالواسطہ مشاہدہ تو اس کا ذریعہ خبر ہے۔ غامدی صاحب خبر سے ثابت کردیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنن ہیں تو پھر ہم بھی مان لیں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ غامدی صاحب خبر کے ذریعے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی بیان کردہ سنن کی فہرست کی نسبت ثابت کرنے سے عاجز اور قاصر ہیں۔ غامدی صاحب نے یہ لکھ تو دیا ہے کہ سنت کا منبع و سرچشمہ حضرت ابراہیمؑ ہیں اور سنت تواتر عملی سے ثابت ہوتی، لیکن ہمیں حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف ان اعمال کی نسبت تواتر عملی سے کیسے ثابت کریں گے؟ چلیں تواتر عملی نہ سہی خبر صحیح سے ثابت کردیں کہ ان اعمال کو حضرت ابراہیمؑ نے بطور دین جاری کیا۔ جب تک غامدی صاحب اپنی بیان کردہ سنن کی فہرست کے بارے میں یہ ثابت نہ کردیں کہ ان اعمال کو حضرت ابراہیمؑ نے دین کی حیثیت سے جاری کیا، اس وقت تک اس بات کا کوئی جواز نہیں بنتا کہ وہ ان اعمال کو دین ابراہیمی کی روایت کے نام سے پیش کریں۔ کیوں کہ یہ اعمال ان کی تعریف کے مطابق اسی وقت سنت بنیں گے جب ان کی نسبت حضرت ابراہیم سے صحیح ثابت ہو جائے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی طرف ان اعمال کی نسبت صحیح ثابت کرنے کا واحد ذریعہ اب ان کے پاس خبر ہے اور خبر سے ان کے نزدیک سنت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سنت تو ان کے نزدیک تواتر عملی سے ثابت ہوتی ہے۔ غامدی صاحب کی بیان کردہ سنن کی نسبت حضرت ابراہیم سے ثابت کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ جب کسی عمل کے بارے میں یہ ثابت کرنا ہی ممکن نہیں ہے کہ ان اعمال کو حضرت ابراہیم نے بطور دین

جاری کیا تو کسی عمل کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سنت ابراہیمی ہے!

صرف تین اعمال ایسے ہیں کہ احادیث میں جن کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک قربانی کا عمل ہے۔ حدیث میں قربانی کے عمل کے بارے میں یہ الفاظ ہیں :

«سنة أبيكم إبراهيم» 10؁

''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔''

لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ اس کی سند میں دو راوی عائذ اللہ اور ابو داؤد ضعیف راوی ہیں، بلکہ 'ابو داؤد' کو تو بعض ائمہ جرح و تعدیل نے کذاب بھی کہا ہے۔

دوسرا عمل جس کی حضرت ابراہیم کی طرف نسبت کی گئی ہے ختنہ ہے، اور تیسرا مونچھوں کا تراشنا ہے۔ موطا امام مالکؒ کی ایک روایت ہے:

عن سعيد بن المسيب أنه قال كان إبراهيم أوّل الناس ضيّف الضيف وأوّل الناس اختتن وأوّل الناس قص الشارب 11؁

''حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا حضرت ابراہیم وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مہمان نوازی کی، اور ختنہ کیا اور مونچھوں کو تراشا۔''

لیکن یہ روایت مقطوع ہے، علاوہ ازیں ان صحیح روایات کے بھی خلاف ہے جن میں رسول اللہؐ نے ختنے اور مونچھوں کے تراشنے کو انسانی فطرت قرار دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس طرح کے تصور سنت کا اصل ماخذ ڈاکٹر جواد علی کی کتاب المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اس کتاب کو ہی بنیاد بنا کر اپنی بیان کردہ ستائیس سنتوں کو دین ابراہیمی کے شعائر کی حیثیت سے ثابت کر سکیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعریفِ سنت کے باب میں جو کچھ رقم کیا گیا ہے وہ مجرد تعریف ہی ہے۔ اس کا کوئی مسمّیٰ نہیں ہے جس پر اس تعریف کا اطلاق کیا جا سکے۔ تاہم اگر یہ دعویٰ کر بھی لیا جائے کہ جو ستائیس چیزیں ہم نے بیان کی ہیں وہ اس تعریف کا مسمی ہیں تو ہم ان سے یہ سوال کریں گے کہ پہلے کسی شرعی دلیل سے ثابت تو کیجیے کہ ان اعمال کا منبع حضرت ابراہیم ہیں۔

سنت کی تعریف میں حضرت ابراہیمؑ کے تذکرے کی تاریخی حیثیت

کہا جاتا ہے ہم نے سنت کی تعریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ایک تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں تاریخی حقیقت تو یہ کہتی ہے کہ سنت کی تعریف میں حضرت ابراہیمؑ کی بجائے حضرت آدمؑ کا نام شامل کرنا چاہیے۔ موصوف کی بیان کردہ اکثر

وبیشتر سنن وہ ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آ رہی ہیں۔ مثلاً بیان کی گئی دو سنن قربانی اور تدفین کو ہی لے لیں۔ ان سنن کی تاریخ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہم ان سنن کی نسبت حضرت آدم کی طرف کریں۔ قرآن کے مطابق قربانی اور تدفین کی سنن کی ابتدا حضرت آدم کے زمانے ہی سے ہو گئی تھی۔ قرآن میں حضرت آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ﴾ 12

''جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی۔''

اسی طرح آگے یہ ذکر بھی موجود ہے کہ جب نوع انسانی میں پہلا قتل ہوا اس وقت سے تدفین کی ابتدا ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴾ 13

''پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ اس نے کہا افسوس مجھ پر کہ میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا، تو وہ ہو گیا ندامت کرنے والوں میں سے۔''

ان آیات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قربانی اور تدفین سنت ابراہیمی نہیں، بلکہ سنت آدم ہیں۔ اسی طرح نکاح و طلاق، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب، حیض و نفاس کے بعد غسل، غسل جنابت اور اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تزکیہ کرنے کو سنت ابراہیم کہنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ معاذاللہ حضرت ابراہیم سے پہلے انبیا میں زن و شو کے تعلقات کیلئے نکاح و طلاق کا کوئی تصور نہ تھا، حیض و نفاس کی حالت میں انبیا اپنی بیویوں سے مباشرت کرتے اور مباشرت کے بعد غسل کا بھی کوئی حکم ان کی شریعت میں موجود نہ تھا! حضرت ابراہیم سے پہلے گزر جانے والے انبیا کی امتوں میں جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا اور نہ ہی حیض و نفاس کے بعد عورتیں غسل کرتی تھیں۔ مزید برآں سابقہ انبیا میں نہ نماز تھی نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ۔ اگر یہ سب کچھ پچھلے انبیا کی شریعتوں میں نہیں تھا تو پھر ان کی شریعت کیا تھی؟ جس کے بارے میں قرآن نے ہمیں حکم دیا ہے:

﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ

لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۳﴾ 14ـ

''(آپ) کہہ دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو شریعت ہم پر نازل کی گئی اس کو بھی مانتے ہیں اور جو حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، اولادِ یعقوب پر نازل کی گئی اس کو بھی مانتے ہیں اور جو شریعت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دی گئی اس کو بھی مانتے ہیں اور جو اُن کے علاوہ دوسرے انبیا کو دی گئی اس کو بھی مانتے ہیں۔''

ہماری اس تنقیح پر اگر موصوف کی طرف سے یہ کہا جائے کہ ان احکامات کے بارے میں ہمارا بھی نکتہ نظر یہی ہے کہ یہ احکامات حضرت ابراہیم سے ماقبل شریعتوں میں بھی موجود تھے تو پھر آپ کی یہ بیان کردہ سنن، سنن ابراہیمی نہ رہیں گی بلکہ سنن آدم ہوں گی۔ اصول کی بات یہ ہے کہ جس عمل کی ابتدا جس نبی سے پہلی مرتبہ ثابت ہو رہی ہے اس عمل کی نسبت اسی نبی کی طرف کی جائے۔ اور اس کو اسی نبی کی سنت کے نام سے پیش کیا جائے۔

اُصول سنت کی دلیل کا جائزہ

موصوف نے اپنی بیان کردہ تعریف سنت کے ثبوت کے لیے سورۃ النحل کی درج ذیل آیت کو بطور دلیل بیان کیا ہے:

﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ 15ـ

''پھر ہم نے آپؐ کی طرف وحی کی کہ آپ حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں جو بالکل یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

موصوف بحث ''سنت'' کی کر رہے ہیں اور دلیل ایک ایسی آیت کو بنا رہے ہیں جس میں لفظ 'ملت' استعمال ہوا ہے' ہمارے خیال میں یہاں پر 'ملت ابراہیم' سے مراد بالکل بھی سنت ابراہیمی (وہ ستائیس چیزیں جنہیں بیان کیا گیا ہے) نہیں ہے۔ 'سنت' کا لفظ جزئیات پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے جب کہ ملت کے لفظ کا اطلاق جزئیات پر نہیں ہوتا مثلاً یہ کہنا غلط ہو گا کہ نماز میں ہاتھ باندھنا ملت ہے، کیوں کہ سنت کے لفظ کی نسبت جزئیات کی طرف ہو جاتی ہے جب کہ 'ملت' کی نسبت جزئی امور کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اجتماعی یا مجموعی امور کی طرف ہوتی ہے۔

امام راغبؒ لکھتے ہیں:

ولا تكاد توجد مضافة إلى الله ولا إلىٰ آحاد أمة النبي ﷺ ولا تستعمل إلا فيحملة الشرائع دون آحادها لايقال ملة الله ولا يقال ملتي وملة زيد16ـ

اور لفظ 'ملت' کی اضافت اللہ کی طرف نہیں ہو گی اور نہ ہی کسی امتی کی طرف ہو گی اور حاملین شریعت (یعنی انبیاورسل) کے علاوہ کسی فرد واحد کی طرف بھی اس کی نسبت نہیں ہو گی اس لیے 'اللہ کی ملت' یا 'میری ملت' یا 'زید کی ملت' کہنا غلط ہے۔

ہماری اس تفسیر کہ ملت سے مراد سنت نہیں ہے، کی تائید درج ذیل قرائن سے ہو رہی ہے:

1۔ شرک سے اجتناب اور اللہ کی فرماں برداری، یہ حضرت ابراہیمؑ کی وہ امتیازی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے وہ باقی تمام پیغمبروں میں نمایاں ہیں اگرچہ ہر نبی نے شرک سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کی طرف اپنی قوم کو بلایا۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیمؑ کی قرآن میں جہاں بھی مدح بیان کی گئی ہے انہی دو اوصاف کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔

2۔ ملت ابراہیم کا یہ مفہوم نظم قرآن سے بھی واضح ہو رہا ہے، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں اس آیت میں بھی اور اس کے علاوہ بھی قرآن میں جہاں کہیں حضرت ابراہیمؑ کی ملت کی اتباع کا حکم ہے وہاں یہ حکم شرک کے بالمقابل یا اطاعت کے پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے بیان کیا گیا۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہو رہا ہے:

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ 17

اس آیت میں اللہ کے رسولؐ کو کہا گیا کہ آپ ان یہود و نصاریٰ سے کہہ دیں کہ ہم تو حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کرتے ہیں جو کہ یکسو تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ یعنی ان کو بتادیں کہ ہم تو دین ابراہیمی پر ہیں۔ اور دین ابراہیمی کیا ہے؟ اللہ کے بارے میں یکسو ہو جانا اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنا وغیرہ۔

﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ 18

اس آیت میں بھی یہودیوں سے خطاب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ اپنی بدعات (مثلاً اونٹ کے گوشت کو حرام قرار دینا وغیرہ) کو دین ابراہیم کے نام سے پیش نہ کرو، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس دین کی پیروی کرو جو کہ بالکل واضح ہے اور جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اور اسی طرح سورۃ یوسف کی آیت 38، سورۃ البقرہ کی آیت 132،130 اور سورۃ النحل کی آیت 123 سیاق وسباق سے بھی پتا چلتا ہے کہ ملت ابراہیمی کی اتباع سے مراد اللہ کے معاملے میں یکسو ہو جانا اور شرک نہ کرنا ہے جو کہ تمام انبیا کی دعوت کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ ان سب آیات کا سیاق وسباق یعنی نظم قرآنی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ ملت ابراہیمی کی اتباع سے مراد تمام انبیا کے ہاں مشترکہ

اعمال یعنی ہر قسم کے شرک سے اجتناب اور اللہ کے لیے انتہائی درجے میں فرمانبردار ہو جانے وغیرہ میں حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ کی پیروی کرنا ہے۔

اسی معنی کو جلیل القدر ائمہ مفسرین مثلاً طبریؒ، قرطبیؒ وغیرہ نے اپنی تفاسیر میں اختیار کیا ہے۔

موصوف کی تعریف کے مطابق سنت اعمال کا نام ہے اور عقیدہ اس میں شامل نہیں ہوتا۔ جب کہ قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ملت میں عقیدہ بھی شامل ہے' جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ ﴾19

لفظ ملت کا ترجمہ 'دین' تو کیا جاسکتا ہے (جیسا کہ امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں، ابن الاثیر الجزریؒ نے النھایۃ میں، علامہ ابن الجوزیؒ نے تذکرۃ الاریب میں، ابن المنظور افریقیؒ نے لسان العرب میں اورابو بکر السجستانی نے غریب القرآن میں لکھا ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا اصل معنی بھی اطاعت اور فرمانبرداری ہی ہے، لیکن ملت کا ترجمہ 'سنت' کسی طرح نہیں بنتا۔

اگر ملتِ ابراہیمی سے مراد وہ ستائیس اعمال لے بھی لیے جائیں جو کہ غامدی صاحب بیان کر رہے ہیں تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین ابراہیمی کی بنیادی عبادات نماز اور مناسک حج وغیرہ بھی محفوظ نہ تھیں چہ جائیکہ باقی اعمال محفوظ رہے ہوں۔ جب دین ابراہیمی ہی محفوظ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولؐ، کو اس کی اتباع کا حکم دینا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملت اور سنت میں فرق ہے۔ لفظ ملت کا ترجمہ 'سنت' سے کرنا عربی زبان سے لاعلمی اور قرآنی اصطلاحات سے ناواقفیت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

اصلاحی اصولِ سنت اور ان کے اپنے اصول

غامدی صاحب نے استنجا کرنے، بڑھے ہوئے ناخن کاٹنے، ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، مونچھیں پست رکھنے، زیر ناف کے بال مونڈنے اور بغل کے بال صاف کرنے کو سنت ابراہیمی میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ چیزیں انسانی فطرت میں شامل ہیں۔ ان کی نسبت حضرت ابراھیمعلیہ السلام کی طرف کرنے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے لوگوں کے ہاں نہ تو کسی قسم کے استنجا کا تصور تھا، نہ ہی وہ اپنی مونچھیں پست رکھتے، نہ زیر ناف کے بال مونڈتے، نہ بغل کے بال صاف کرتے، نہ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی کرتے تھے۔ یہ تصور قطعاً محل نظر ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ جسم کی صفائی سے متعلقہ یہ سارے احکامات فطرت انسانی کا حصہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

« اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ أَوْ خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَتَقْلِيْمُ الْأَظَافِرِ وَقَصُّ الشَّارِب » 20؎

''فطرت پانچ چیزیں ہیں، یا پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، بغل کے بال اکھیڑنا، ناخنوں کو کاٹنا اور مونچھوں کو پست کرنا۔''

اس کے علاوہ علما بھی جب ان احکامات کو بیان کرتے ہیں تو سنن الفطرۃ کے نام سے بیان کرتے ہیں، مثلاً السید سابق اپنی کتاب فقہ السنۃ اور شیخ محمد بن ابراہیم التویجری اپنی کتاب مختصر الفقہ الاسلامی میں اس بحث کو اسی عنوان کے تحت لے کر آئے ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہ اعمال انسانی فطرت کا حصہ ہیں لہٰذا ان اعمال کی نسبت حضرت ابراہیم کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بہتر ہو گا کہ موصوف ان اعمال کو 'سنت ابراہیمی' کے تحت بیان کرنے کی بجائے اپنے اصول 'دین فطرت کے حقائق' کے تحت بیان کر دیں۔ کیوں کہ ان کے بیان کردہ اصول فطرت کے بھی یہ بات خلاف ہے کہ ان اعمال کی نسبت حضرت ابراہیم کی طرف کی جائے۔

غامدی صاحب اُصول و مبادی میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"پانچواں اصول یہ ہے کہ وہ چیزیں جو محض بیان فطرت کے طور پر آئی ہیں، وہ بھی سنت نہیں ہیں۔" 21؎

غامدی صاحب کے اس اصول سے ثابت ہوا کہ انکے نزدیک فطرت کی بنیاد پر ثابت شدہ اعمال کو سنن کہنا صحیح نہیں ہے اور یہاں وہ خود اپنے اس بنائے ہوئے اصول کی مخالفت کر رہے ہیں اور جسم کی صفائی کے احکامات جو کہ بیانِ فطرت ہیں انکو بیانِ سنت بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ بظاہر اس سے انکا مقصود یہی محسوس ہوتا ہے کہ کسی طرح اپنی طے کردہ تعریف سنت کے ثبوت کیلئے کوئی مسمّیٰ تلاش کیا جائے۔

اصلاحی و غامدی صاحب کا تصور تواتر عملی

اہل سنت کے نزدیک سنت سے مراد وحی خفی ہے اور اس کی روایت حدیث کہلاتی ہے۔ یعنی اس سنت کے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ 'حدیث' ہے، جب کہ اصلاحی اور غامدی صاحب کے نزدیک یہ سنت ہم تک تواتر عملی سے پہنچی ہے۔ ہمارے نزدیک ان دونوں حضرات کے تصور تواتر عملی میں درج ذیل پہلو قابل اعتراض ہیں۔

دین اور ذریعے میں فرق

دین اور چیز ہے اور اس کو آگے نقل کرنے کے ذرائع اور چیز ہیں۔ دونوں میں فرق ہے۔ دین کو روایت اور نقل کرنے کے ذرائع نہ تو دین ہیں اور نہ ان کو کسی چیز کے دین قرار دینے کے لیے معیار بنایا

جا سکتا ہے۔ تواتر عملی دین کو پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے نہ کہ کسی چیز کے دین بننے کا معیار۔ اگر غامدی صاحب کا یہ نکتہ نظر مان لیا جائے کہ تواتر عملی سے ایک چیز دین بن جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ صحابہ کے لیے دین اور تھا اور ہمارے لیے دین اور ہے۔ کیوں کہ غامدی صاحب کے بقول ہمارے لیے تو اللہ کے رسولؐ کے وہ اعمال دین قرار پائیں گے جو کہ تواتر عملی سے نقل ہوئے ہوں جب کہ صحابہ کیلئے اللہ کے رسولؐ کا ہر عمل دین ہو گا کیوں کہ وہ تو اللہ کے رسولؐ کے ہر عمل کا براہ راست مشاہدہ کر رہے تھے۔ اللہ کے رسولؐ کا ایک عمل جو کہ خبر واحد سے ثابت ہے غامدی صاحب کے نزدیک وہ ہمارے لیے دین نہیں ہے کیوں کہ وہ تواتر عملی سے ثابت نہیں ہے، تو کیا وہ عمل صحابہ کے لیے بھی دین نہیں ہو گا جو کہ دیکھتی آنکھوں اس کا مشاہدہ کر رہے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ تواتر عملی کسی چیز کو دین ٹھہرانے کا کوئی معیار نہیں ہے۔ دین وہ ہے جسے اللہ اور اس کا رسولؐ دین قرار دیں، چاہے وہ خبر واحد سے ہمیں ملے یا قولی تواتر سے یا عملی تواتر سے۔ 'ذریعے' سے کوئی چیز دین نہیں بنتی، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے دین بنانے سے ایک چیز دین بنتی ہے اور بعد میں کسی ذریعے سے ہم تک پہنچتی ہے۔ یعنی دین پہلے موجود ہے پھر ذریعہ ہے جس سے وہ ہم تک پہنچا ہے۔ جب کہ موصوف کے بقول ذریعہ پہلے ہے اور دین بعد میں ہے اور ذریعے نے ہی ایک چیز کو دین بنانا ہے اور ایک چیز کو دین سے خارج کرنا ہے۔

تواترِ عملی اور بدعات

جس زمانے میں بیٹھ کر اصلاحی و غامدی صاحب تواتر عملی کی بات کر رہے ہیں اس سے بدعات تو ثابت ہو سکتی ہیں لیکن دین کسی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا۔ خلافت راشدہ کے بعد سے امت مسلمہ کا سوادِ اعظم جس کو دین کے نام سے پیش کر تا رہا ہے یا کر رہا ہے اسے ہر گز دین کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ شرک و بدعات کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ نوع انسانی کی اس لیے یہ سمجھنا کہ بدعات تو اٹھارہویں یا انیسویں صدی کی ایجاد ہیں محض خیال ہے۔

سنت کی روایت کا اصل ذریعہ خبر یا تواتر عملی

اصلاحی و غامدی صاحب کے نزدیک سنت کی روایت کا ذریعہ تواتر عملی ہے۔ ہم غامدی صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جس زمانے میں آپ موجود ہیں اس کے تواتر عملی کو تو آپ ثابت کر دیں گے، لیکن اللہ کے رسولؐ کی سنت کو جاری ہوئے چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، ہر صدی میں اللہ کے رسولؐ کی ہر ایک سنت کے حوالے سے تواتر عملی کو آپ کیسے ثابت کریں گے؟ کسی مسئلے کے بارے میں یہ جاننے کے لیے کہ یہ امت میں تواتر سے چلا آ رہا ہے، اس کا واحد ذریعہ خبر ہے۔ معاملہ یہ ہے جس خبر واحد سے

جان چھڑانے کے لیے اصلاحی وغامدی صاحب نے تواتر عملی کا فلسفہ گھڑا تھا، خود تواتر عملی کا ثبوت اس خبر کے بغیر ممکن نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان حضرات کے بقول جس طرح سنن تواتر عملی سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اسی طرح بدعات بھی تواتر عملی سے ہی نقل ہوتی رہی ہیں۔ اب ایک عمل کے بارے میں یہ فیصلہ کیسے کیا جائے گا کہ وہ سنت ہے یا بدعت؟ اس کا جواب دیتے ہوئے غامدی صاحب فرماتے ہیں:

> "تواتر ایک ٹھوس حقیقت ہے، یہی کسی عمل کے محکم اساس پر قائم ہونے کی دلیل ہے۔ بے شک بہت سی بدعات رائج ہو گئیں، بے عملی بڑھ گئی، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس اُمت کی ساری تاریخ کا واضح ریکارڈ موجود ہے۔ حضور کا زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے عہد سے لے کر آج تک کیا کچھ اصل ہے کیا کچھ اختراع کیا گیا، یہ سب اُمت کے سامنے ہے۔"22

غامدی صاحب کے بقول جب کسی چیز کے بارے میں یہ اختلاف ہو جائے گا کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟ تو امت مسلمہ کی تاریخ اس بارے میں فیصلہ کرے گی کہ کیا یہ عمل واقعتا اللہ کے رسولؐ کے زمانے سے چلا آرہا ہے یا بعد کے کسی زمانے کی ایجاد ہے۔ غامدی صاحب کی حالت تو اس شخص کی سی ہے کہ جس کے بارے میں عربی زبان میں ایک کہاوت معروف ہے:

فرَّ من المطر و قرَّ تحت المیزاب

"بارش سے بچنے کے لیے بھاگا اور پرنالے کے نیچے آکے کھڑا ہو گیا۔"

اصلاحی وغامدی صاحب خبر واحد سے بھاگے تھے اور بالآخر تاریخ ان کے گلے پڑ گئی، جو ایسی اخبار پر مشتمل ہے جس کی نہ تو کوئی سند ہے، نہ اسماء و رجال اور نہ ہی اس کے پرکھنے کے لیے اصول الروایۃ موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی چودہ صدیوں کی تاریخ میں کسی عمل کے بارے میں تواتر عملی کو ثابت کرنا بغیر خبر کے ممکن نہیں ہے۔ جن سنن کے بارے میں اصلاحی وغامدی صاحب یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں تواتر عملی سے ملی ہیں، ان مسائل کو وہ ذرا مذاہب اربعہ کی کتابیں کھول کر دیکھیں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ ائمہ میں ان مسائل میں کس قدر اختلاف موجود ہے۔

آج تواتر عملی سے یہ بات ثابت ہے کہ فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا نماز کا حصہ ہے، وتر کی نماز عشاء کی نماز کا حصہ ہے نہ کہ تہجد کی نماز کا، نماز تراویح اور ہے اور نماز تہجد اور ہے۔ کیا غامدی صاحب ان سب اعمال کو ایسے ہی مانتے ہیں جیسا کہ تواتر عملی سے ثابت ہے؟ اگر نہیں تو کس بنیاد پر؟ خبر واحد کی بنیاد پر یا تاریخ کی بنیاد پر؟

غامدی صاحب کا اپنے ہی بیان کردہ اصولِ سنت سے انحراف

جس طرح ہم یہ واضح کر چکے ہیں اصلاحی و غامدی صاحب کا اصول سنت غلط ہے اسی طرح اس اصول کے اطلاق میں بھی ان صاحبان سے بعض مسائل میں غلطی ہوئی ہے۔غامدی صاحب داڑھی کو سنت میں شمار نہیں کرتے، جیسا کہ ان کی بیان کردہ سنن کی فہرست سے واضح ہوتا ہے۔حالانکہ داڑھی حضرت ابراہیمؑ سے لے کر محمد رسول اللہؐ، تک تمام انبیا کی سنت رہی۔دورِ جاہلیت میں اہل عرب داڑھی رکھتے تھے۔آپؐ نے بھی داڑھی رکھی، اس کا حکم بھی دیا اور تمام صحابہؓ کی داڑھی تھی۔داڑھی کی سنت موصوف کی تعریف کے سو فی صد مطابق ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام انبیا کی سنت رہی ہے۔یہ دین ابراہیم کی وہ روایت ہے کہ جس پر دور جاہلیت میں بھی اکثر اہل عرب قائم تھے اور آپؐ نے دین ابراہیمی کی اس روایت کو عملاً برقرار رکھا اور اس کا امت کو حکم بھی جاری فرمایا۔بعد میں یہ سنت صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہوئی اور امت کے تواتر سے ہم تک منتقل ہوئی۔اللہ کے رسولؐ کی حدیث ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ »23ۓ

''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو چھوڑ دو (بڑھنے دو) اور مونچھوں کو پست کرو۔''

ابن حجر عسقلانی(م ۸۵۲ھ) خَالِفُوا الْـمُشْرِكِيْنَ کی شرح میں لکھتے ہیں:

في حديث أبي هريرة عند مسلم خالفوا المجوس وهو المراد في حديث ابن عمرفإنهم كانوا يقصون لحاهم ومنهم من كان يحلقها.

''حضرت ابوہریرہ کی حدیث جو مسلم میں ہے اس میں «خَالِفُوا الْـمُشْرِكِيْنَ» کی جگہ «خَالِفُوا الْـمَجُوْسَ» کے الفاظ ہیں اور اس حدیث میں بھی یہی مراد ہے کیوں کہ مجوسیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی داڑھیاں کاٹتے تھے اور ان میں سے بعض اپنی داڑھیاں مونڈتے تھے۔''

ابن حجر کی اس تشریح اور تاریخ و سیر کی کتب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشرکین مکہ بھی اپنی داڑھیوں کو چھوڑتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ ہیں :

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوْسَ» 24ۓ

''مونچھوں کو پست کرو اور داڑھی کو چھوڑ دو، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصلاحی صاحب کے بارے میں تو ہم ان کے اجمالی تصور کی وجہ سے کوئی بات نہیں کہتے لیکن غامدی صاحب کے تصور سنت کے پیچھے ایک ہی بنیادی محرک نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی طرح دین اسلام کی ایسی جامع تعبیر پیش کی جائے جو تمام مذاہب سماویہ کو ایک بنا دے۔ اسی تصور کے تحت انھوں نے لفظ 'کتاب' کے مفہوم میں تورات، انجیل اور زبور کو بھی شامل کر دیا اور اسی تصور کے تحت انھوں نے 'سنت' کی نسبت حضرت ابراہیم کی طرف کی، کیوں کہ حضرت ابراہیم ہی وہ واحد شخصیت ہیں کہ جن کی طرف یہودی، عیسائی اور مسلمان اپنی نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ موصوف نے کتاب و سنت کی اصطلاحات کا اہل سنت کے ہاں معروف معنی لینے کی بجائے اپنا نیا معنی متعارف کروایا تا کہ وہ مذاہب سماویہ کو ایک جامع تصور اور فکر کے تحت جمع کر سکیں، لیکن ہمیں افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے آن کھڑے ہوئے ہیں۔ مذاہب سماویہ کو اکھٹا کرنے کے اشتیاق میں امت مسلمہ کو تفرقے میں ڈال دیا۔ وہ اُمت جو رسول اللہؐ سے لے کر آج تک اس تصور پر متفق تھی کہ کتاب سے مراد وہ قرآن ہے جو آپؐ پر نازل ہوا اور سنت سے مراد آپؐ کی وہ سنت ہے جو بذریعہ وحی خفی آپؐ کو ملی۔ موصوف نے وحدتِ مذاہب سماویہ کے مقصد کے تحت کتاب و سنت کی ایسی تعریف بیان کی جو امت مسلمہ کے اس اجماعی تصور کے مخالف ہے، جو کہ آپؐ کے زمانے سے لے کر آج تک ان کے ہاں معروف ہے۔ غامدی صاحب اپنی فکر کو عالمی فکر بنانے کے لیے کوشاں ہیں، جب کہ صورتحال یہ ہے کہ شاید یہودی اور عیسائی تو ان کے تصورات کتاب و سنت کو تسلیم کر لیں لیکن پورا عالم اسلام تو کیا، خوفِ خدا رکھنے والا کوئی ایک عالم بھی ان کے اس تصور کتاب و سنت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو گا، جو کہ چودہ صدیوں سے امت میں رائج تصور کے خلاف ہے۔ موصوف کا خلوص اپنی جگہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی ان کے تصور کتاب و سنت کو اسی وقت قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گے جب کہ وہ اپنے اصولوں کی طرح فروعات میں بھی ایسے تصورات پیش کریں جو کہ ان کے لیے قابل قبول ہوں۔ اس ضمن میں ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے آنجناب خود نہ سہی لیکن ان سے مستفید ہونے والے سکالرز حضرات بخوبی یہ فریضہ بھی سر انجام دے رہے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ غامدی صاحب کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ایک انگلش رسالہ "Renaissance" میں ہم جنس پرستی کو فطرت انسانی قرار دیا جا رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾[25]

''اور (اے نبی ﷺ!) یہود و نصاریٰ آپ سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کریں۔''

لہٰذا اس سلسلے میں ہم استدعا کرتے ہیں کہ مذاہب سماویہ کو جمع کرتے کرتے اُمت مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے سے گریز کیا جائے۔ اگر وہ مذاہب سماویہ کو اکھٹا کرنا ہی چاہتے ہیں تو اس بنیاد پر اکھٹا کریں جو کہ خود قرآن نے پیش کی ہے۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ تَعَالَوۡاْ إِلَىٰ كَلِمَةٖ سَوَآءِۭ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ أَلَّا نَعۡبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهِۦ شَيۡـٔٗا وَلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِۚ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَقُولُواْ ٱشۡهَدُواْ بِأَنَّا مُسۡلِمُونَ﴾26

''(اے نبیؐ!) کہہ دیں اے اہل کتاب: آؤ! ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں بعض بعض کو ربّ نہ بنالے اللہ کو چھوڑ کر، پس اگر تم پھر جاؤ گے (یعنی یہ ہمارے تمہارے درمیان جو اتحاد کی بنیاد ہے اگر تم اس بنیاد پر ہم سے اتحاد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگے) تو گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔''

حوالہ جات وحواشی

(۱) الشوری:۵۱

(2) ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، الإحکام فی أصول الأحکام:2۔6

(3) الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسی بن محمد، الموافقات، 289، 4، وزارۃ الشوؤن الاسلامیہ

(4) اصلاحی، امین احسن: مبادی تدبر حدیث، : ص۱۹: فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۰ء

(5) ایضا: ص۲۸، ۲۴ (6) النحل:۱۲۳ (7) میزان از جاوید احمد غامدی: ص۱۰

(8) میزان از جاوید احمد غامدی: ص۶۵ (9) ماہنامہ اشراق: جون ۲۰۰۲ء ص۲۹

(10) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ القزوینی: سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت: کتاب الأضاحی، باب ثواب الاضحیۃ

(11) مالک بن أنس، الإمام: الموطأ، تحقیق و تعلیق: محمد فؤاد عبد الباقی: کتاب الجامع' باب ماجاء السنۃ فی الفطر

(12) المائدۃ:۲۷ (13) المائدۃ:۳۱ (14) آل عمران:۸۴ (15) النحل:۱۲۳

(16) راغب اصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل: مقدمہ التفسیر (المفردات فی غریب القرآن): ص۷۱۴ نور محمد اصح المطابع کارخانہ، کراچی (17) البقرۃ:۱۳۵ (18) آل عمران:۹۵ (19) سورۃ ص:۵تا7

(20) البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، :۵۸۹۱، مکتبہ دار السلام، ریاض، ۱۹۹۷ء

(21) میزان، جاوید احمد غامدی: ص۶۶ (22) ماہنامہ اشراق: نومبر ۱۹۹۹، ص۵۳

(23) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار (24) صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ

(25) البقرۃ:۱۲۰ (26) آل عمران:۶۴